اسلام وقتی جوش کیلئے نہیں بلکہ موت تک قربانی کیلئے بلاتا ہے

(فرمودہ ۳- ستمبر ۱۹۱۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

الٓمّٓ- ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ- الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ- وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ- اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1]-

اس کے بعد فرمایا:-

انسانوں میں سے بہت سے انسان ست بھی ہوتے ہیں، نکمے بھی ہوتے ہیں، بے استقلال بھی ہوتے ہیں اور بے ہمت بھی ہوتے ہیں اور ان کے بُرے خصائل کے خلاف واعظ لوگ لوگوں کو بہت کچھ کہتے سنتے بھی رہتے ہیں اور ان سے بچنے کی طرف متوجہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن اصل ہوشیاری، اصل ہمت اور کام کرنے کی طاقت وقوت کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے بہت کم لوگ آشنا ہوتے ہیں اسی لئے بعض لوگ غلطی سے بعض باتوں کا نام ہمت، ہوشیاری اور کام کرنے کی عملی طاقت رکھ لیتے ہیں- لیکن درحقیقت وہ عملی طاقت ہمت اور ہوشیاری نہیں ہوتی- بلکہ ہمت، ہوشیاری اور عملی طاقت وقوت بہت بڑی چیزیں ہیں اور ان کا حاصل کرنا یا اپنے اندر پیدا کرنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں کیونکہ یہ بڑے صبر اور بڑی محنت کو چاہتی ہیں-

بہت سے لوگ دنیا میں بعض وقتوں میں بڑے چوکس اور ہوشیار بھی ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ چوکس اور ہوشیار نہیں ہوتے۔ بعض لوگ بعض وقتوں میں بڑے جوش سے کام کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان کا وہ فعل اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ بڑے ہمت والے اور اولوالعزم ہیں اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اندر عملی طور پر کام کرنے کی طاقت اعلیٰ حد تک پہنچی ہوئی ہے کیونکہ ان کے تمام کام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہانڈی کا اُبال۔ ہانڈی جب چولہے پر چڑھی ہو تو اس میں اُبال آتا ہے مگر وہ اُبال قائم رہنے والی چیز نہیں ہوتی ذرا ڈھکنا اُتارو' وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ تو وہ اعمال جو ان کی ہمت' چستی اور ہوشیاری پر یا ان کے اندر عملی طاقت کے موجود ہونے پر بظاہر دلالت کرتے ہیں درحقیقت ہنڈیا کے اُبال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میرے خیال میں تو دنیا میں کوئی بھی ایساانسان نہیں جس پر کسی نہ کسی وقت جوش اور چستی کی حالت نہ گزرتی ہو۔ جس طرح ہر وہ ہنڈیا جو آگ پر رکھی جاتی ہے اُبلتی ہے اسی طرح ہر وہ انسان جو دنیا میں کام کرتا ہے کبھی نہ کبھی جوش دکھاتا ہے لیکن باوجود اس کے نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا کام کرنے والا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس کا جوش وقتی ہے۔ وقتی جوش بے شک ایک حد تک مفید ہوتا ہے اور اکثر کام دے جاتا ہے لیکن اس سے وہ نتائج نہیں نکل سکتے جو استقلال کے ساتھ کام کرنے سے نکلتے ہیں کیونکہ اس طرح جو نتائج نکلتے ہیں وہ وقتی جوش کی نسبت بہت بڑے ہوتے ہیں۔

اگر کوئی ایسا وقت آئے کہ ہندوؤں مسلمانوں کا یا مسلمانوں عیسائیوں کا یا ہندوؤں عیسائیوں کا مباحثہ ہو تو ہر قوم کے آدمی یہی ظاہر کریں گے کہ اپنے مذہب کی محبت میں ایسے چُور ہیں کہ ایک بات بھی اس کے خلاف نہیں سن سکتے۔ لیکن جب پنڈت اور مولوی یا پادری مباحثہ سے اُٹھ کھڑے ہوں تو انہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے مذہب میں بھی کوئی خوبی ہے یا نہیں' اس کیلئے غیرت چاہیئے یا نہیں۔ مباحثات میں جاہلوں کو زیادہ جوش آیا کرتا ہے مگر جب گھر جاتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اب اس جوش کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہی لوگ صحابہ کا نمونہ ہیں اور واقعہ میں ان کی اس حالت کو دیکھ کر ایک نبی کی تربیت یافتہ جماعت کے ساتھ انہیں تشبیہہ دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ لوگ اس وقت اپنے مذہب کے خلاف سن کر کرب ظاہر کرتے ہیں' دین کی محبت میں چُور نظر آتے ہیں' اپنے مذہب کی کامیابی پر اتنی خوشی کااظہار کرتے ہیں کہ انہیں بادشاہت بھی ملتی تو بھی اتنی خوشی نہ

کرتے یہی حال سچی معرفت رکھنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ خداتعالیٰ سے خاص تعلق رکھتے ہیں اس لئے کوئی مشکل ان کے راستہ میں حائل نہیں ہوسکتی، کوئی تکلیف انہیں رنجیدہ نہیں کرسکتی ان کیلئے دین کی کامیابی سب سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہی حالت مباحثہ میں ان لوگوں کی نظر آتی ہے۔ مگر ان دونوں جماعتوں میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کی تربیت یافتہ جماعت کے لوگ گھروں میں جاتے ہیں، سوتے ہیں، جاگتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، اپنے تمام کاروبار کرتے ہیں لیکن ان کی ہر حالت اور ہر وقت میں جوش اور چستی نمایاں ہوتی ہے اور جو دوسرے ہیں ان کا جوش صرف مباحثہ کے وقت تک ہی محدود ہوتا ہے۔ گھر جاکر وہ دنیا کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور دین کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح بہت سے بخیل جن کے ہاتھوں سے ایک پیسہ بھی نہیں نکلتا بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے ہیں مگر سخی نہیں کہلاسکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کسی خاص وجہ یا خاص منظر یا خاص بات سے متاثر ہوکر ان کا بخل دب جاتا ہے اس لئے وہ کچھ دے دیتے ہیں۔ اور یہ بات بیرونی اثرات سے ان میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ ان کی طبیعت سے نکلتی ہے لیکن ایک سخی کو مجلس کے اثرات یا کسی منظر کی کیفیات یا واعظ کا وعظ یا کسی کی شان وشوکت دینے کیلئے مجبور نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے۔ پھر کسی خاص وقت نہیں بلکہ تنگی و فراخی، عُسر یُسر ہر حال میں اس کی سخاوت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

پس اصل بات جو دنیا میں کسی کو کامیاب کرتی ہے وہ ایک صفت کا اپنے اندر ہمیشہ کیلئے قائم کرلینا ہوتا ہے نہ کہ ایک وقت کیلئے اس کا حاصل کرلینا۔ کیونکہ وقتی جوش تو شریر سے شریر انسان کو بھی اپنے مذہب کی حمایت میں آجاتا ہے۔ چنانچہ اخباروں میں ایسے واقعات پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً دیانند کالج اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں میں میچ ہوا تو موچی دروازہ کے غنڈے لٹھ لے کر آگئے کہ مسلمان اور آریوں کا مقابلہ ہے ہمیں مسلمانوں کی ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر نہیں کہہ سکتے کہ ان میں اسلامی جوش ہے۔ کیونکہ ایک نظارہ کی وجہ سے ان میں وقتی جوش نظر آتا ہے اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ اصل ہمت اور جوش سے کام کرنے والا وہ انسان ہوتا ہے جو کبھی تھکتا نہیں خواہ کتنا ہی مشکل کام اسے پیش آئے، اور کتنا ہی لمبا عرصہ اس کے کرنے میں لگے۔ لیکن وہ جو ایک وقت خواہ کتنا ہی جوش دکھائے اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے اس لئے کبھی اس قسم کا انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جتنے

انسان کامیاب ہوتے ہیں اور جتنی قومیں ترقی کرتی ہیں وہ وہی ہوتی ہیں جن کی ہمت اور جوش نے وقت کو نہیں دیکھا- خواہ دس برس لگیں یا بیس تیس یا چالیس پچاس' جب تک ان کا مدعا حاصل نہ ہو چھوڑتی نہیں- یہ نہیں کہ ان میں وقتی جوش پیدا ہوگیا ہو- بعض لوگ وقتی جوش سے کوئی اچھا کام کرلیتے ہیں لیکن گھر آکر پچھتاتے ہیں- مثلاً بعض لوگ کسی جلسہ میں دوسروں کو دیکھ کر خود بھی دے دیتے ہیں مگر گھر آکر پچھتاتے ہیں اور کہتے ہیں چندہ نہ دیتے یا جتنا دیا اس سے کم دیتے تو اچھا ہوتا- اس طرح جو ثواب انہیں ہونا ہوتا ہے وہ بھی ضائع ہوجاتا ہے-

اسلام جس طرف بلاتا ہے وہ وقتی جوش کا کام نہیں بلکہ موت تک انسان کو قربانی کرنے کیلئے بلاتا ہے اس لئے مومن پر کوئی وقت ایسا نہیں آتا کہ اسے قربانی کیلئے نہ بلایا جائے ہر حالت اور ہر وقت میں آسمانی آواز اسے پکار پکار کر کہتی ہے کہ ابھی بڑا کام ہے خوب جوش سے لگے رہو-

ہماری جماعت نے جو کام شروع کئے ہیں ان کے کرنے میں بعض آدمی گھبراجاتے ہیں کہ کیا ہم ہمیشہ ہی یہ کام کرتے رہیں گے- ایسے نادان نہیں جانتے کہ انہیں نفس دھوکا دے رہا ہے- یہ کام کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور خداتعالیٰ کو یہ مدنظر نہیں کہ کسی کا روپیہ خرچ کرادے اور نہ یہ مدنظر ہے کہ کسی کا وطن چھڑا کر دوسرے ممالک کی سیروتفریح کراوے اور نہ اسے یہ منظور ہے کہ وقت خرچ کرکے اٹھیں بیٹھیں بلکہ وہ تو تم میں ایک ایسی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ انسان کسی روک اور کسی مشکل کو خداتعالیٰ کیلئے برداشت کرنے میں ہچکچائے نہیں اور اس کیلئے کسی وقت دشمن کے مقابلہ سے نہ ہٹے بلکہ ہر وقت ہتھیار تیز رکھے- کیوں؟ اس لئے کہ ایک دشمن سے اس کا مقابلہ ہے وہ دشمن خواہ اپنا ہی نفس ہو یا دوسرے انسان یا شیطان ہو' ہر وقت اس کے سرپر موجود ہے-

ہمارے لئے جو کام ہے یعنی صداقت اسلام کو پھیلانا یہ کوئی آسان کام نہیں- نہ کوئی مٹھائی ہے کہ اُٹھائی اور کھالی' نہ کوئی کپڑا ہے کہ پہن لیا- اس لئے یہ وقتی جوش کا کام نہیں بلکہ حقیقی جوش رکھنے والی جماعت کا کام ہے- کیونکہ تمام دنیا کی اصلاح کاایسا فرض ہے جس کے خلاف ساری دنیا زور لگارہی ہے- یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ پندرہ بیس مست ہاتھی چھوڑ کر ایک بچہ کو کہا جائے کہ ان کو پکڑو- جانتے ہو اس بچہ کو کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوگی- پس وہ مست ہاتھی جنہیں بڑے بڑے تجربہ کار مہاوت رام نہیں کرسکے ان کے درمیان ہماری

جماعت کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو بچہ کی طرح ہے اور مخالف لوگ مست ہاتھیوں کی طرح جو جھوٹی آزادی کو آزادی سمجھ کر خداتعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہیں اصل آزادی کی طرف لانا چاہتا ہے اسے کچل دیں۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ جہاں مریض کو یہ خیال ہو کہ مجھے زہر پلایا جارہا ہے وہاں ڈاکٹر کو کیسی دقّت پیش آتی ہے۔ بہت ہی زور ہو تو دوائی پلائی جاسکے۔ ایک تو وہ مریض ہے جو سمجھے کہ میرا علاج ہورہا ہے وہ بھی دوائی پینے سے منہ بناتا' ناک بھوں چڑھاتا اور کہتا ہے دوائی بے مزہ ہے پینے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن ایک ایسا مریض ہے جس کو یہ یقین ہو کہ وہ درد جو آگے میرے لئے مصیبت کا موجب ہورہا ہے دوائی پینے سے دُگنا ہوجائے گا یا اس دوائی کے حلق سے اُترتے ہی جان نکل جائے گی تو بتاؤ وہ مریض کس شدت سے ڈاکٹر کا مقابلہ کرے گا۔ ایسے موقع کیلئے بڑا باہمت اور استقلال والا اور مدبر ڈاکٹر چاہیئے جو طرح طرح سے اسے بہلا کر اور نرم کرکے دوائی پلائے۔ پس ہمارے سپرد بھی جو مریض ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں زہر دیا جائے گا۔ وہ مسیح موعود جو دنیا کو ہدایت کی طرف بلانے آیا تھا اس کا ذکر ان کے سامنے کرو تو فوراً پتھر مارنے لگ جائیں گے۔ وہ مسیح موعود جو دنیا کے آرام کا باعث تھا اسے دکھ کا باعث سمجھ رہے ہیں' وہ مسیح موعود جو سچائی کی طرف بلانے آیا تھا دنیا کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ مسیح جو شیطان کے پنجہ سے آزاد کرنے کیلئے آیا تھا دنیا سمجھ رہی ہے کہ اپنی غلامی میں جکڑنے کیلئے آیا اور دنیاوی عزت کیلئے لوگوں کو غلام بناتا ہے۔ وہ مسیحؑ جو خدا سے تعلق قائم کرانے کیلئے آیا تھا دنیا کو یقین ہے کہ وہ خدا سے دور کرنے آیا ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر ان کو سمجھایا جائے تو وہ مخالفت میں سارا زور لگاتے ہیں اور برداشت نہیں کرتے کہ ہمارا نسخہ استعمال کریں۔ ایسے موقع پر ہمیں کسی معمولی نہیں بلکہ بڑے بھاری استقلال کی ضرورت ہے۔

پھر اگر کسی ڈاکٹر کے پاس ایک دو مریض ہوں تو وہ خیال کرسکتا ہے کہ دو گھنٹہ یا چار گھنٹہ میں کام کرکے فرصت ہوجائے گی۔ لیکن جہاں کروڑوں مریض ہوں ایسے موقع پر یہ خیال کرنا نادانی ہوگی کہ ہمارا کام ایک یا دو دن کا ہے کیونکہ یہ اصل میں صدیوں کا کام ہے اور اس کیلئے نسلیں در نسلیں آئیں گی اور ان کے ہاتھ خالی نہ ہوں گے کام زیادہ ہوگا اور آدمی تھوڑے' کیونکہ دینی کام تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی قوم

یہ سمجھ لے کہ اب میرا کام ختم ہوگیا ہے اُسی وقت اس کے افراد جو بمنزلہ ڈاکٹر کے ہوتے ہیں مریض ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ ایسا مرض ہے کہ جب ڈاکٹر یہ سمجھ لیں کہ اب کوئی مریض نہیں تو وہی مرض ڈاکٹروں کو لگ جاتا ہے۔ پھر آسمان سے ڈاکٹر آکر ایک مدرسہ قائم کرتا ہے اور اس میں ایسے ڈاکٹر تیار کرتا ہے جو دنیا میں مریضوں کے علاج میں لگ جاتے ہیں۔ اس پر صدیوں کی صدیاں گزرجاتی ہیں اور وہ فارغ نہیں ہوتے حتیٰ کہ بعض لوگ علم ڈاکٹری کو بھول جاتے ہیں اس لئے وہی مریض بن جاتے ہیں اور ایسے مریض کہ لوگ ان پر ہنستے ہیں جیسے آج کل یورپ کے لوگ مسلمانوں پر ہنس رہے ہیں۔ غرض یہ مقابلہ کوئی چھوٹا سا مقابلہ نہیں بلکہ بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔ جب کوئی انسان اس کو ہاتھ میں لے تو سمجھ لے کہ مرتے دم تک ایسا کوئی وقت نہیں آئے گا کہ مَیں اس سے فارغ ہوسکوں۔ پس ہماری جماعت کیلئے جس نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے بہت بڑی ہمت' عملی طاقت اور استقلال کی ضرورت ہے اور جب تک ہم خاص جوش اور استقلال سے کام نہ کریں گے کامیابی کہاں ہوسکتی ہے۔ ہم سے پہلی جماعتوں نے یہ کام کیا اور ایسا کیا کہ دن رات ایک کردیا تب جاکر انہیں کامیابی ہوئی۔

یہ آیتیں جو مَیں نے پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے کچھ کام بیان فرمائے ہیں۔ ایک طرف تو یہ فرمایا کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جو باتیں لوگوں کی نظروں سے غائب اور دنیا سے پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر ان کو ایمان اور یقین ہو جاتا ہے۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر خوردبین سے باریک چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اسی طرح وہ چیزیں جو لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہیں مثلاً ہستی باری تعالیٰ' ملائکہ متقی لوگ ان سے اچھی طرح آگاہ ہو جاتے ہیں اور انہیں ان کے متعلق تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز وہ باتیں جو لوگوں پر پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے جن پر انہیں ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ کامل ایمان کا حاصل ہونا بڑی خوبی کی بات ہے۔ یہ ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو ماننے والے لاکھوں اور کروڑوں ہیں لیکن اگر خدا کی ہستی کے متعلق کریدا جائے تو اکثر دہریے نکلیں گے اور بہت سے ایسے ہوں گے جن میں ایمان ہی نہیں۔ پھر فرماتا ہے وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ ایک دو وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے بلکہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ان کی نظر اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ غیب پر انہیں ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو نمازیں قائم کرتے ہیں اور ان پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ "اقامت" کسی چیز کو قائم کرنا اور اس پر دائم رہنا ہے

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ- نماز کو ہمیشہ قائم رکھتے ہیں- اس کے معنے نماز کے تمام پہلوں کو مدنظر رکھنا اور کوئی نقص اور کمزوری نہ کرنا بھی ہیں- یعنی وہ نمازوں کو اس طرح پر ادا کرتے ہیں کہ کوئی کمزوری نہیں رہنے دیتے یعنی نماز کے کُل ظاہری اور باطنی شرائط کو پورا کرتے ہیں-

وَ مِمَّا رَ زَ قْنٰھُمْ یُنْفِقُوْ نَ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں- پہلے ان کا ایمان کامل ہوتا ہے پھر وہ خدا کی عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کے بندوں سے نیک سلوک کرنے لگتے ہیں- کیوں؟ اس لئے کہ جس چیز سے انسان کو محبت ہوتی ہے اس سے اَور جتنی چیزیں تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں ان سے بھی اس کو محبت ہوجاتی ہے- کہتے ہیں مجنوں کسی گلی سے گزر رہا تھا کہ اسے لیلیٰ کا کُتّا نظر آیا وہ اس سے پیار کرنے لگ گیا- تو یہ ایک پختہ بات ہے کہ جس چیز کی عزت انسان کے دل میں ہوتی ہے اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی وہ عزت کرتا ہے- دیکھ لو جس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تھی تو لوگ جبہ پہنتے اور عربی و فارسی پڑھتے تھے- لیکن اب اگر کوئی جبہ پہنے تو لوگ ہنسیں کہ یہ بھی کوئی لباس ہے اور عربی و فارسی کو تو لغو ہی کہتے ہیں ان کی بجائے انگریزی پڑھنے پر زور ہے- پس جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوجاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی مخلوق کے ساتھ بھی تعلق ہوجاتا ہے اس لئے وہ خدا کے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں اور محتاج اور غریب لوگوں سے حسن سلوک کرتے ہیں-

پھر وَ الَّذِیْنَ یُؤْ مِنُوْ نَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ آنحضرت ﷺ پر جو کلام نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں- پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے تعلق رکھنے کا ذکر تھا- اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ کس طرح عمل کیا جائے؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ جو تعلیم لائے اس پر عمل کرو اس لئے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور مِمَّارَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کالازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ کیونکہ جب کوئی سچے دل سے ہستی باری تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس کی عبادت کو اپنی عادت میں داخل کرلے گااور خدا کی مخلوق سے نیک سلوک کرے گا تو فوراً اس بات کا بھی اقرار کرے گا کہ میری عقل ایسی نہیں جو ہر بات کے نفع و ضرر تک پہنچ جائے اس لئے کسی رستہ بتانے والے کی ضرورت ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی ہو نہیں سکتا-

پھر وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ- آنحضرت ﷺ کو مان کر ضرور ہے کہ اَور نبیوں کو بھی ماننا

جائے۔ کیونکہ ایک سچائی دوسری سچائی کو قبول کرنے کیلئے رستہ صاف کرتی ہے۔ چنانچہ آپ پر جو کلام اُترا' اس کو مان کر اور نبیوں کا ماننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہندو جو حضرت موسیٰ' عیسیٰ' ابراہیم (علیہ السلام) کو جھوٹا سمجھتا ہے جب آنحضرت ﷺ کی سچائی پر ایمان لاتا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی مان لیتا ہے کہ یہ سب خدا کے سچے رسول تھے۔

پھر وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ جب پہلے کلاموں پر یقین ہوجائے تو یقیناً اس بات کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی کوئی صفت معطّل نہیں ہوتی۔ جس طرح وہ پہلے کلام کرتا تھا ویسے ہی اب بھی کرتا ہے اسی طرح آنے والے کلام پر یقین حاصل ہوجاتا ہے۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم نبی کی تعلیم کو بھول کر تباہ و برباد ہوگئی وہ وہی ہے جس نے یہ کہا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آنے والے کلام پر بھی ایمان لایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے پہلے ہی کہہ دیا۔ کہ قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ [۲] یہ تو کہو کہ رسول اللہ انبیاء کے خاتم ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ ؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ آپ ؐ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا جو ہمیشہ سے اپنی مخلوق کی ہدایت کیلئے نبی بھیجتا آیا ہے' کیا ممکن ہے کہ کسی کو نبوت کے قابل سمجھ کر اس پر فائز نہ کرے۔ اور آئندہ کیلئے کلام کرنا بند کردے۔ پس اگر پچھلی کلام پر یقین آجائے تو آئندہ پر ضرور ایمان حاصل ہوجاتا ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ یہی وہ لوگ ہیں جو سچی ہدایت پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور صرف یہی وہ ہدایت ہے جو انسان کو کامیاب کردیتی ہے کیونکہ جب یہ یقین ہوجائے کہ خدا کی طرف سے کلام نازل ہوتا ہے اور خداتعالیٰ یہ انعام دے سکتا ہے تو انسان محنت بھی کرے گا۔ مَیں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے آپ یہ معنے فرماتے کہ متقی وہ ہوتا ہے جو ایک حد تک اعمال کرے اور مدار شریعت احکام کو پورا کرے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے یہ مطلب ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ متقی سے بڑھا کر اوپر کے درجہ پر لے جاتا ہے اور متقی کے بعد یہ درجہ ہوتا ہے کہ خدا اس سے کلام کرتا ہے یعنی وحی کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے۔ پس جب انسان کو یہ یقین ہوجائے کہ وحی کا دروازہ کھولا جائے گا تو وہ کوشش بھی کرے گا۔ اور جس کو یہ امید ہی نہ ہو وہ نہیں کرے گا۔ مثلاً ایک آدمی کو یقین ہو کہ فلاں مکان پر فلاں چیز ہوگی تو وہ وہاں جائے گا

لیکن اگر اسے معلوم ہو کہ نہیں ہوگی تو نہیں جائے گا۔

متقی کے واسطے یہ باتیں ہیں اور ایسی ہیں کہ ایک دم کیلئے اگر ان کو چھوڑ دے تو جھٹ اس کا ایمان گر جاتا ہے۔ کوئی کہے کہ اب ان کی ضرورت نہیں تو خداتعالیٰ سے دور کیا جائے گا۔ نماز اور صدقہ کو چھوڑنے سے پہلی حالت قائم نہ رہے گی' قرآن پر ایمان نہ لانے سے ذلیل ہوجائے گا کیونکہ شریعت کے جتنے احکام ہیں وہ ایسے ہیں جو سب انسانوں سے ہر وقت تعلق رکھتے ہیں اور بار بار کئے جاتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ کیا ہے کہ کامیاب وہ انسان ہوسکتا ہے جو ہر وقت لگا رہے۔ مسلمانوں کی نمازیں ایسی نہیں کہ کچھ پڑھ کر چھوڑ دیں۔ صدقہ و خیرات ایسا نہیں کہ ایک دو دفعہ کیا اور پھر چھوڑ دیا بلکہ جس دن سے کوئی مسلمان ہوتا ہے اس سے لے کر مرنے کے دن تک یہ باتیں ساتھ ہی رہتی ہیں۔ اس سے خداتعالیٰ نے بتایا ہے کہ جتنے کام خدا کیلئے ہوتے ہیں وہ اسی طرح کے ہوتے ہیں۔

پس ہمارے کاموں پر سال پر سال گزریں تو ہمیں پہلے سے زیادہ جوش اور استقلال دکھانا چاہیئے کیونکہ ہم تو اس انسان کی امت ہیں جس کی نسبت خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى [3] تیری ہر آنے والی گھڑی پچھلی سے اچھی ہے۔ پس پچھلے سال اگر کسی کو کسی نیک کام کرنے کی توفیق ملی تھی تو اب اسے یہ خیال ہونا چاہیئے۔ کہ اگلے سال اس سے زیادہ توفیق ملے اور اگر کوئی پچھلے سال کی نسبت سست ہوجاتا ہے تو گویا آنحضرت ﷺ کے اتباع سے ہٹتا ہے کیونکہ خدا تو فرماتا ہے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى اور دوسری جگہ فرماتا ہے لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [4] کہ اگر تمہیں کوئی کام کرنا ہو تو رسول کی پیروی سے کرو۔ پس ہماری ہر گھڑی پہلی سے اچھی اور ہر سال پہلے سال سے اچھا ہونا چاہیئے۔ اور جو کچھ پچھلے سال کیا اس پر یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بہت خدمت کرلی ہے بلکہ یہ خیال ہونا چاہیئے کہ پچھلے سال ہم ایک سیڑھی چڑھے تھے اور ایک اب چڑھیں گے۔ اس لئے بڑھ کا کام کرنا چاہیئے ہمیں اور نہیں تو جواری سے ہی سبق لینا چاہیئے۔ جواری جس قدر مال ضائع کرتا ہے اُتنی ہی کھیلنے کی اور تڑپ اس کو پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہم تو مال ضائع نہیں کرتے بلکہ بیج بوتے ہیں۔ جواری تمام مال کے خرچ ہوجانے تک ہمت نہیں ہارتا۔ ہندوؤں میں تو بعض اپنی بیویاں بھی ہار دیتے ہیں کہ شاید اب کچھ آجائے۔ ایک مومن کی ہمت کم از کم جواری سے تو بڑھ کر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جواری جس کو کوئی آسمانی

طاقت نہیں کہتی کہ بڑھے چلو' وہ ہمت نہیں ہارتا اور روپیہ لگاتا رہتا ہے- مومن کو تو ہروقت آواز آتی ہے کہ ابھی تمہارے ذمہ بہت کچھ کام ہے کام میں لگے رہو- پس مومن کو ہروقت یہ خیال ہونا چاہیئے کہ مَیں ہرروز زیادہ مال خرچ کروں اور اُس وقت تک کرتا رہوں کہ موت آجائے- اور خدا کے حضور اپنے اعمال کا بدلہ لینے چلا جاؤں- پس اس قسم کے استقلال اور جوش کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک یہ نہ ہوگا کامیابی نہیں ہوسکے گی-

ہماری جماعت کے بعض لوگ گھبراجاتے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا ہر کام پہلے سے اعلیٰ ہونا چاہیئے کیونکہ ہم اس نبی کی امت ہیں جس کی ہر گھڑی پہلی سے اعلیٰ تھی-

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل کرے اور ہماری سستی بے ہمتی اور بے استقلالی کو دور کرکے اس راستہ پر چلائے کہ جس پر چل کر ہم کامیاب ہوجائیں اور اس راستہ سے بچائے جس پر چل کر ٹھوکر کھائیں-

(الفضل ۹- ستمبر ۱۹۱۵ء)

۱؎ البقرۃ:۲تا۶

۲؎ تکملہ مجمع البحار جلد ۴ صفحہ ۸۵ مطبوعہ نو لکشور

۳؎ الضُّحٰی:۵ ۴؎ الاحزاب:۲۲